ہوئے اور ۷۷۰ھ/۱۳۶۸ء میں انتقال ہوا[1] شیخ جمال خنداں رو کا خاندان علم و فضل کے اعتبار سے ہمیشہ ممتاز رہا حضرت خود، مخدوم جہانیاں کے استاد تھے اس کے بعد ان کے خاندان کو بخاری مخادیم کی اتالیقی کی عزت برابر حاصل رہی مولوی حفیظ الرحمان اپنی ۱۹۳۱ء کی تالیف "تاریخ اوچ" میں لکھتے ہیں کہ آج تک یہ رسم ہے کہ جب بخاری سجادہ نشین کے گھر میں فرزند پیدا ہوتا ہے تو شیخ جمال الدین کی خانقاہ پر ایک گھوڑا بطور نذر کے تحفہ دیا جاتا ہے[2]

مخدوم جہانیاں جہاں گشت (۱)

مخدوم جہانیاں جہاں گشت، احمد کبیر کے بڑے صاحبزادے، مشہور صوفی شیخ اور نامور سیاح معرفت گزرے ہیں۔ ان کی پیدائش ۱۴ شعبان ۷۰۷ھ کو اوچ میں ہوئی[3] حضرت مخدوم کا نام نامی ان کے جد امجد کے اسم گرامی پر جلال الدین رکھا گیا، لیکن عام طور پر "مخدوم جہانیاں جہاں گشت" کے نام سے معروف ہیں۔ "مخدوم جہانیاں" لقب ہے جو ان کو بطور عیدی کے اپنے سلسلہ کے مشائخ عظام سے ملا ہے[4] مخدوم نے سیر و سیاحت خوب فرمائی تھی اس لئے "جہاں گشت" مشہور ہوئے۔ ایک موقع پر حضرت مخدوم کو ان کے والد ماجد شیخ جمال خنداں رو کی خدمت میں لے گئے تو شیخ خنداں رو نے فرمایا۔[5]

بابا آرے! شما پسرانید کہ دودمان خویش منور ساخت و ہم خاندان مشائخ۔

بابا ہاں! تم وہ صاحبزادے ہو کہ اپنے خاندان اور اپنے مشائخ کے خاندان کو روشن کرو گے۔

---

[1] ذکر کرام از مولوی حفیظ الرحمان ص ۸۵-۸۶ (بہاولپور ۱۹۳۸ء)

[2] تاریخ اوچ ص ۱۵۰

[3] لطائف اشرف جلد اول از نظام یمنی ص ۳۹۲ (دہلی ۱۲۹۹ء)

[4] سیر العارفین ص ۱۵۷-۱۵۸ و تاریخ فرشتہ (اردو اڈیشن) ص ۶۸۶

حضرت مخدوم کی ابتدائی تعلیم اوچ میں شیخ بہاؤالدین قاضی اوچ اور شیخ جمال خنداں رؤ کے پاس ہوئی[1] پھر حضرت مخدوم ملتان پہنچے اور حضرت رکن الدین ابوالفتح کے زیر نگرانی تعلیم پائی۔ حضرت رکن الدین حضرت مخدوم پر بہت شفقت فرماتے تھے۔ حضرت مخدوم فرماتے ہیں۔

"ایک برس تک میں وہاں رہا۔ چند کتابیں جو کہ بعد انتقال قاضی بہاؤالدین رہ گئی تھیں ان کو میں نے تمام کیا۔"

حضرت مخدوم شیخ رکن الدین ابوالفتح کے سلسلۂ سہروردیہ میں مرید ہوئے، اور خلافت پائی چشتیہ سلسلہ میں شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلیؒ کے خلیفہ تھے۔ حضرت مخدوم کو سیوستان کی چالیس خانقاہوں کا نظام سپرد کرکے محمد تغلق نے شیخ الاسلام مقرر کیا، مگر مخدوم نے اس منصب کو چھوڑ کر مختلف ممالک کی سیر و سیاحت فرمائی

حضرت مخدوم نے حرمین شریفین کی زیارت کی۔ سات سال مکہ میں اور دو سال مدینہ میں مقیم رہے۔ وہاں کے مشائخ سے تمام علوم تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ پڑھے۔ ان کے مشائخ میں عبداللہ مصری اور عبداللہ یافعی بہت مشہور و معروف ہیں۔

حضرت مخدوم نے جو سیاحت فرمائی ہے، افسوس اس کا مستند مرقع نہیں ملتا۔ حضرت مخدوم سے منسوب جو سفرنامہ فارسی یا اردو میں ملتا ہے، وہ قطعاً جعلی اور وضعی ہے۔ اس میں بے سروپا واقعات، من گھڑت حکایتیں اور دور از کار قصے درج ہیں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ کسی شخص نے جہاں گشت کے لقب کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے معتقدات کی روشنی میں ایک سفرنامہ گڑھ دیا ہے بعض شہر و قصبات کے نام ملفوظات سے لے لئے گئے ہیں اور پھر اس سفرنامہ میں مختلف لوگوں نے قطع و برید کی ہے۔

حضرت مخدوم نے اپنے عہد میں سیاست میں خاصا حصہ لیا۔ فیروز شاہ تغلق کا زمانہ تھا۔ فیروز شاہ سے حضرت کے تعلقات خوب استوار تھے، جب فیروز شاہ نے ٹھٹھہ پر تاخت کی تو اوّل مرتبہ اس کو ناکامی ہوئی اور دوسری مرتبہ حضرت مخدوم کی کوششوں سے امیران ٹھٹھہ نے اطاعت قبول کی۔ مخدوم کئی مرتبہ دہلی تشریف لے گئے۔ وہاں کے

---

[1] الدر المنظوم ص ۶۳۱

عمائدین امراء وزراء شہزادوں اور بادشاہ سے اکثر ملاقاتیں ہوتی تھیں، الدر المنظوم میں بڑی تفصیل ملتی ہے۔

حضرت مخدوم اپنے زمانے کے نامور شیخ اور ولی کامل تھے۔ دور دراز سے لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوکر ارادت و خلافت سے سرفراز ہوتے تھے۔ حضرت باقاعدہ درس دیتے تھے۔ ان کا ایک اچھا کتب خانہ تھا۔ سلک حنفی کے متبع اور صحابہ کی محبت سے سرشار تھے۔

حدیث پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ حضرت مخدوم اپنی مریدوں کی خاص طور سے تربیت فرماتے تھے آپ کے ذریعہ سے بہت سے لوگ داخل اسلام ہوئے، بلکہ راجپوتوں کے بعض قبائل حضرت مخدوم کے دست حق پرست پر ہی مشرف باسلام ہوئے۔ آپ مقامی زبانوں میں رشد و ہدایت اور تبلیغ و اشاعت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ ان کے بعض ہندی (اردو) مقولے ملتے ہیں جن سے اردو کے نشو و نما اور ارتقا کا اندازہ ہوتا ہے۔

مشہور ہے کہ دہلی کا قدم شریف فیروز شاہ کے زمانے میں حضرت مخدوم مصر سے لائے۔ تاریخی اور واقعاتی اعتبار سے یہ بات بالکل غلط ہے ہم نے اپنی کتاب "مخدوم جہانیاں جہاں گشت" میں اس مسئلہ پر بڑی مفصل بحث کی ہے۔

آپ کی خدمت میں مشہور سیاح ابن بطوطہ حاضر ہوا۔ آپ کے تعلقات ان کے زمانے کے مشہور درویش و شیخ شرف الدین یحییٰ منیری اور خواجہ گیسو دراز سے بہت اچھے تھے۔

حضرت مخدوم کی عمر اٹھتر سال کی ہوئی سال وفات ۷۸۵ھ / ۱۳۸۳ء ہے ۱۰ ذی الحجہ عید قرباں چہار شنبہ کا دن تھا، نماز دوگانہ ادا کرنے کے بعد طبیعت زیادہ خراب ہوگئی۔ اور غروب آفتاب کے ساتھ ساتھ رشد و ہدایت، فلاح و خیر اور علم و فضل کا آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

مزار شریف، اوچ ضلع بہاولپور میں ہے۔ دروازہ پر حسب ذیل تاریخ ثبت ہے۔

تاریک گشت جملہ جہاں بے جمال شاہ

تاریخ بود ہفت صد ہشتاد و پنج سال

حضرت کے بہت سے خلیفہ ہوئے جن سے سلسلہ کی نشر و اشاعت ہوئی مخدوم کے ملفوظات

جامع العلوم (الدر المنظوم) خزانہ جلالی، جواہر جلالی۔ مظہر جلالی۔ سراج الہدایہ، مقرنامہ، مناقب مخدوم جہانیاں، علوم و معارف کے خزائن ہیں، مخدوم نے حضرت قطب الدین دمشقی کے رسالہ مکیہ کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے اس کا ایک نسخہ کیمبرج یونیورسٹی کے کتب خانہ میں ہے۔

شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی اپنے وقت کے بہت بڑے بزرگ، محققِ اسرارِ حقیقت عالم و عامل اور فاضل یگانہ تھے۔ حضرت محمد بن ابی بکر صدیقؓ کی اولاد سے تھے۔ غوث اعظم عبدالقادر جیلانی کی صحبت کا شرف بھی حاصل تھا۔ اور ان سے فیض بھی پایا۔.... ملک عراق میں آپ کی بہت شہرت رہوئی۔ چنانچہ دور و نزدیک سے اربابِ طریقت استفادہ کی غرض سے آپ کے پاس آنے لگے۔ آپ کا مذہب شافعی اور طریقہ کامل اتباعِ سنت رسول تھا۔ آپ نے کئی کتابیں لکھیں جن میں عوارف المعارف زیادہ مشہور ہے....

دور دراز ملکوں سے لوگ آپ سے مسئلے دریافت کرتے اور فتوے حاصل کرنے کے لئے آتے ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ کو لکھا کہ میں عمل کو ترک کرتا ہوں تو میری طبیعت بطالت کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ اور اگر عمل کرتا ہوں تو دل میں عُجب پیدا ہوتا ہے۔ آپ نے جواب میں لکھا کہ عمل کرتے رہو اور عُجب سے نجات حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے رہو۔

رجب ۵۳۹ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ترانوے برس کی عمر میں محرم ۶۳۲ھ میں انتقال فرمایا مزار مبارک بغداد میں ہے۔

شیخ سعدی شیرازی بلند پایہ بزرگ بھی آپ کے مرید تھے۔ چنانچہ انہوں نے پیر و مرشد کی ایک نصیحت کو اس طرح نظم کیا ہے۔

مرا پیر دانائے مُرشد شہاب ۔۔۔ دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ بر خویش خود بیں مباش ۔۔۔ دوم آنکہ بر غیر بد بیں مباش

(رشید احمد ارشد از ترجمہ اردو عوارف المعارف)

فیلسوف العرب - الکندی

شیخ عبدالکریم الزنجانی النجفی[1]

ابویوسف یعقوب ابن اسحاق بن الصباح الکندی کا سلسلۂ نسب یعرب بن قحطان سے ملتا ہے۔ وہ واسط میں پیدا ہوا۔ تیسری صدی ہجری یعنی نویں صدی عیسوی اس کا زمانہ ہے۔ ایک روایت ہے کہ وہ بصرے میں پیدا ہوا، اور دوسری روایت میں اس کی جائے پیدائش کوفہ بتائی گئی ہے جہاں اس کے والد کوئی بیس برس تک والی رہے۔ وہ کس خاص سن میں پیدا ہوا۔ یہ حتمی طور سے معلوم نہیں، اس طرح اس کا سن وفات کا بھی تعین نہیں ہو سکا۔

الکندی کی ایک ایسے شریف النسب خاندان میں نشوونما ہوئی، جس میں ایک عرصہ دراز سے امارت و سیادت چلی آتی تھی۔ اس کے والد اسحاق بن الصباح خلفائے عباسیہ میں سے مہدی اور ہارون الرشید کے عہد میں کوفہ کے والی تھے۔ اور ان کے آباؤ اجداد میں سے اشعث بن قیس کو اسلام لانے کے بعد

---

[1] گزشتہ سال جمہوریۂ عراق کے زیر اہتمام بغداد میں عرب اور اسلام کے پہلے فلسفی الکندی کی ہزار سالہ برسی منائی گئی۔ اس موقع پر "الامام الاکبر فیلسوف العرب والاسلام الاشہر" الشیخ عبدالکریم الزنجانی النجفی نے الکندی پر ایک مقالہ پڑھا۔ جس کا اردو ترجمہ نذر قارئین ہے۔ ——— مدیر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے کا شرف حاصل ہوا، وہ عہد جاہلیت میں اپنے قبیلے کندہ کے بادشاہ تھے اور انہیں یہ بادشاہت اپنے باپ دادا سے ورثے میں ملی تھی۔

الکندی کی درس وتدریس کی زندگی کا آغاز بصرے ہی میں ہوگیا تھا۔ بعد میں وہ بغداد منتقل ہوگیا جو اس زمانے میں علوم وفنون اور عالمی تہذیب وثقافت کا عظیم مرکز تھا۔ جس سے اس نے خوب استفادہ کیا، اور بغداد کے علمی سرچشموں سے وہ پوری طرح سیراب ہوا، یہاں تک کہ اس کا ذہن ایک عظیم دائرہ معارف (انسائیکلو پیڈیا) بن گیا، جس میں فلسفہ، ادب، طب، علم الافلاک، فن موسیقی، علوم ریاضی اور طبیعات و کیمیائیات سب کچھ تھے۔ مختصراً اکیلے الکندی کے ذہن نے بغداد سے اتنا کچھ حاصل کرلیا کہ دس ذہن بھی اسے حاصل کرنے سے عاجز رہتے اس کی علمی پیاس اسے علم کے ہر سرچشمے کی طرف لے گئی۔ اس نے یونانی وسریانی زبانیں سیکھیں۔ اور ان سے عربی زبان میں ترجمے کئے۔ الکندی کا شمار اس دور کے مشہور اور ماہر مترجموں میں ہوتا تھا، جن کے نام یہ ہیں:۔ حنین بن اسحاق، یعقوب بن اسحاق الکندی، ثابت بن قرہ الحرانی اور عمر بن بن الفرخان الطبری۔ الکندی یونانی فلسفے، ہندی حکمت اور فارسی معارف سے بڑی شیفتگی رکھتا تھا۔ چنانچہ ان پر مشتمل جو کتاب بھی ہاتھ لگتی، وہ اسے لے کر بیٹھ جاتا اور بغیر ختم کئے دم نہ لیتا اس سے پہلے عربوں میں الکندی کی کوئی نظیر نہ تھی اسی لئے اسے "فیلسوف عربی" کا لقب دیا گیا۔

بعض مورخوں نے الکندی کی ۳۵۰ تصنیفات گنائی ہیں، جن میں کتابیں اور رسالے سب شامل ہیں۔ اور بعض کے نزدیک ان کی تعداد ۲۳۱ ہے۔ ابن الندیم نے "الفہرست" میں ان کا ذکر کیا ہے۔ اور ابن ابی اصیبعہ نے اپنی کتاب "عیون الانباء" میں ان میں سے بہت سوں کو بغیر کسی ترتیب ونظام کے گنایا ہے۔ "تاریخ الحکماء" میں انہیں الگ ہر فصل کے تحت تقسیم کیا گیا ہے۔ بعض مورخوں نے الکندی کی تصنیفات کو فصل واریوں گنایا ہے۔ فلسفہ ۳۲، نجوم ۱۹، علم الافلاک ۱۶، بحث وجدل ۱۷، احداث ۱۴، الکریات ۸، فن موسیقی ۷، علم النفس ۵، تقدمۃ المعرفہ ۵، حساب ۱۱، ہندسہ ۲۳، طب ۲۲، سیاست ۱۲، طبیعات ۳۳، منطق ۹، احکام ۱۰، اور ابعاد ۸۔ اس ضمن میں افسوس ناک بات یہ ہے کہ ان تصنیفات میں سے بہت کم ضائع ہونے سے بچیں، اتنی کم کہ ان سے الکندی کے فلسفے پر پوری روشنی نہیں پڑ سکتی۔ بعض ثقہ

مورخین کی رائے ہے کہ الکندی کا فلسفہ افلاطون، ارسطو اور افلوطین کے فلسفوں کا امتزاج ہے جسے تمام تر ارسطو سے منسوب کر دیا گیا۔ لیکن ہمارے پاس الفارابی اور ابن سینا دو ایسے ذرائع ہیں، جو الکندی کے فلسفہ کی ایک واضح اور حقیقی تصویر ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں۔

قبل اس کے کہ ہم فلسفہ الکندی کی یہ تصویر پیش کریں، عربوں اور مسلمانوں میں فلسفہ کی جس طرح نشوونما ہوئی، اس کا اجمالاً ذکر کریں گے۔

الکندی کے بالخصوص اور عربوں اور مسلمانوں کے بالعموم فلسفے میں دلچسپی لینے کے اہم اسباب میں سے ایک سبب خود اسلام ہے جو کہ "دین فطرت و طبیعت" ہے اور اس کی کتاب قرآن کریم پہلی آسمانی کتاب ہے جس نے اپنے پیروؤں پر تحصیل علم و دانش فرض قرار دیا۔ اور کائنات کے اسرار اور وجود کے رازوں پر غور و فکر کرنا ان کے لئے لازم ٹھہرایا تاکہ وہ اس طرح خالق و مبدعِ اول کی معرفت حاصل کر کے اس پر ایمان لائیں اور انہیں روح کی بقا و خلود اور دوسری زندگی میں اس کے لوٹنے کا جہاں کہ عدل الٰہی کی طرف سے بدی اور نیکی کرنے والوں کو پورا پورا بدلہ ملے گا، یقین حاصل ہو۔ کیا اس کے علاوہ صحیح فلسفہ کوئی اور چیز ہے؟ اور کیا فلسفہ اپنے پیروؤں کو یہ جو دعوت دیتا ہے کہ وہ عالم کی ابتدا اور اس کی انتہا اور کائنات کی عظمت اور جس طرح کہ اس کا نظام چل رہا ہے، اس پر غور و فکر کریں اس میں اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں۔ اولم یتفکروا فی ملکوت السماوات والارض وما خلق اللہ من شیٔ[1] اور اس کے اس ارشاد میں — ان فی خلق السموات والارض واختلاف الیل والنھار لآیات لاولی الالباب[2] " نیز اس طرح کی دوسری آیات میں کوئی فرق ہے؟ کیا یہ آیات اس امر کی صراحت نہیں کرتیں کہ اسلام نے عقل فطری کو جو اوہام کی آلائشوں سے پاک ہو، پورا اختیار دیا ہے، اور یہ کہ اس نے اس کے غور و فکر کے لئے کسی خاص جہت کی شرط نہیں رکھی اور نہ اس کے لئے کوئی مخصوص حد معین کی ہے۔ بلکہ اسلام نے سلیم عقلوں کو عقائد اور عالم کون و مکان کے بارے

---

[1] کیا وہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت میں اور اللہ نے جو چیزیں پیدا کی ہیں، ان میں غور نہیں کرتے۔

[2] بے شک آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں

میں مجرد حقائق تک پہنچنے کے لئے پورا آزاد چھوڑا ہے تاکہ وہ معلوم کرسکیں کہ اس عالم کی ابتداء اور انتہا کیا ہے؟ یعنی وہ "مبداء و معاد" جانیں جیسا کہ انسان کے اندر جبلی طور سے جو دینی شعور ہے، وہ اس بات کا مطالبہ کرتا ہے۔ عقل و فکر کی یہی آزادی، جو فلسفہ و علم و حکمت میں پائی جاتی ہے اس کی اساس ہے اور اسی کی وجہ سے فلسفہ و علم و حکمت کو احترام و دوام حاصل ہے۔ اور وہ برابر ترقی پذیر ہے۔ اب اسلام کے علاوہ اور کون سا مذہب ہے جس میں آپ عقل و فکر کی یہ آزادی پاتے ہیں۔

دین اسلام کا عقل و فکر پر یہی اعتماد تو تھا، جس نے عربوں اور مسلمانوں کو علوم و معارف کی تحصیل و تحقیق، اسلامی فلسفہ کی ایجاد اور نئے نئے علوم کی اختراع پر آمادہ کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ عقل ہی تو ہے جو فطری اساس ہے، جس پر کہ زندگی کی تمام انواع اور اس کے جملہ شعبوں کا دارومدار ہے۔ اور یہی ارتقا و ترقی کا ذریعہ ہے اسی لئے اسلام نے جو "دین فطرت و طبیعت و اجتماع" ہے، اس پر زور دیا ہے اور اپنے ماننے والوں پر طلب علم فرض ٹھہرایا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ جو شخص قرآن کریم کا مطالعہ کرتا ہے اور اس کی ان آیات پر جو خاص طور سے تدبر و تفکر پر ابھارتی ہیں، غور کرتا ہے، تو اس پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ یہی وہ آسمانی کتاب تھی جو پہلا سبب بنی عربی ماحول میں فلسفہ کے داخل ہونے کا۔ اور اسی کی وجہ سے سب سے پہلے عربوں کے لئے فلسفیانہ بحثوں کا جن کی اساس منطق اور غور و فکر ہے، دروازہ کھلا قرآن مجید کے نزول سے قبل وہ اس قسم کی بحثوں سے بالکل ناآشنا تھے۔ یہ فلسفیانہ بحثیں جن کا آغاز قرآن مجید کی وجہ سے ہوا، ان کا دائرہ علوم کون و مکان اور علوم دین یعنی توحید، تفسیر اور فقہ و تشریع ہر دو پر محیط تھا۔

یہ تھی گویا صدر اسلام میں فلسفی فکر کی ابتدا۔ اس کے بعد فلسفی فکر برابر فروغ پاتا گیا یہاں تک کہ وہ دور آیا، جس میں یونانی، ایرانی اور ہندی زبانوں سے ترجموں کا آغاز ہوا۔ اس زمانے کا مسلمان عرب اپنی فطری ذہانت، خداداد دماغی قوت اور ہر نئی چیز سے باخبر ہونے کے ذوق و اشتیاق میں ایک امتیازی درجہ رکھتا تھا چنانچہ اسی کا نتیجہ تھا کہ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ وہ ان تمام قدیم قوموں کی تہذیب و ثقافت کا جن پر کہ اسے غلبہ ہوا، یا ان سے اس کا سابقہ پڑا، وارث بن گیا۔ دوسری زبانوں سے ترجموں کے طویل دور کے بعد

میں مجرد حقائق تک پہنچنے کے لئے پورا آزاد چھوڑا ہے تاکہ وہ معلوم کرسکیں کہ اس عالم کی ابتداء اور انتہا کیا ہے؟ یعنی وہ "مبداء و معاد" جانیں جیسا کہ انسان کے اندر جبلی طور سے جو دینی شعور ہے، وہ اس بات کا مطالبہ کرتا ہے۔ عقل و فکر کی یہی آزادی، جو فلسفہ و علم و حکمت میں پائی جاتی ہے اس کی اساس ہے اور اسی کی وجہ سے فلسفہ و علم و حکمت کو احترام و دوام حاصل ہے۔ اور وہ برابر ترقی پذیر رہے۔ اب اسلام کے علاوہ اور کون سا مذہب ہے جس میں آپ عقل و فکر کی یہ آزادی پاتے ہیں۔

دین اسلام کا عقل و فکر پر یہی اعتماد تو تھا، جس نے عربوں اور مسلمانوں کو علوم و معارف کی تحصیل و تحقیق، اسلامی فلسفہ کی ایجاد اور نئے نئے علوم کی اختراع پر آمادہ کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ عقل ہی تو ہے جو فطری اساس ہے، جس پر کہ زندگی کی تمام انواع اور اس کے جملہ شعبوں کا دارومدار ہے۔ اور یہی ارتقاء و ترقی کا ذریعہ ہے اسی لئے اسلام نے جو دین فطرت و طبیعت و اجتماع ہے، اس پر زور دیا ہے اور اپنے ماننے والوں پر طلبِ علم فرض ٹھہرایا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ جو شخص قرآن کریم کا مطالعہ کرتا ہے اور اس کی ان آیات پر جو خاص طور سے تدبر و تفکر پر ابھارتی ہیں، غور کرتا ہے، تو اس پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ یہی وہ آسمانی کتاب تھی جو پہلا سبب بنی عربی ماحول میں فلسفہ کے داخل ہونے کا۔ اور اسی کی وجہ سے سب سے پہلے عربوں کے لئے فلسفیانہ بحثوں کا جن کی اساس منطق اور غور و فکر ہے، دروازہ کھلا۔ قرآن مجید کے نزول سے قبل وہ اس قسم کی بحثوں سے بالکل ناآشنا تھے۔ یہ فلسفیانہ بحثیں جن کا آغاز قرآن مجید کی وجہ سے ہوا، ان کا دائرہ علوم کون و مکان اور علوم دین یعنی توحید، تفسیر اور فقہ و تشریع ہر دو پر محیط تھا۔

یہ تھی گویا صدرِ اسلام میں فلسفی فکر کی ابتداء۔ اس کے بعد فلسفی فکر برابر فروغ پاتا گیا یہاں تک کہ وہ دور آیا، جس میں یونانی، ایرانی اور ہندی زبانوں سے ترجموں کا آغاز ہوا۔ اس زمانے کا مسلمان عرب اپنی فطری ذہانت، خداداد دماغی قوت اور ہر نئی چیز سے باخبر ہونے کے ذوق و اشتیاق میں ایک امتیازی درجہ رکھتا تھا، چنانچہ اسی کا نتیجہ تھا کہ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ وہ ان تمام قدیم قوموں کی تہذیب و ثقافت کا جن پر کہ اسے غلبہ نصیب ہوا، یا ان سے اس کا سابقہ پڑا، وارث بن گیا۔ دوسری زبانوں سے ترجموں کے طویل دور کے بعد

مسلمانوں کے ہاں ایجاد واختراع وتخلیق کا دور شروع ہوا، اور یہی وہ اساس تھی جس پر اسلامی تہذیب وثقافت کی عالی شان عمارت تعمیر ہوئی تھی۔

۱۳۹ھ مطابق ۷۵۶ء میں خاندان عباسیہ کے دوسرے خلیفہ منصور نے دریائے دجلہ کے غربی کنارے پر اپنے دارالحکومت بغداد کی تعمیر شروع کی یہ وہ جگہ تھی جہاں ساسانی دور میں بغداد (جس کے معنی عطیۂ خداوندی کے تھے) نام سے ایک گاؤں آباد تھا۔ دجلہ وفرات کی وادی میں، جہاں نئے دارالحکومت کی بنا رکھی گئی عہد قدیم میں بڑی بڑی بادشاہتیں اور ان کے پایۂ تخت رہ چکے تھے۔ منصور کے بغداد کی تعمیر میں چار سال لگے اور اس میں تقریباً ایک لاکھ کے قریب مہندسوں (انجنیروں) اور کاریگروں ومزدوروں نے کام کیا بغداد کو بنے زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ وہ ایک عظیم الشان شہر بن گیا۔ ہارون رشید کے زمانے میں (۷۸۶ء - ۸۰۹ء) تو بغداد دولت وثروت اور عالمی اہمیت میں سب سے بازی لے گیا تھا۔ وہاں فکر اسلامی کی بیداری عروج کو پہنچی بلکہ اس دور میں بغداد میں ایک ایسی عظیم الشان فکری وثقافتی تحریک بروئے کار آئی جس کا شمار دنیا کی عظیم فکری وثقافتی تحریکوں میں کیا جا سکتا ہے۔ غرض بغداد کو وجود میں آئے بمشکل پچھتر سال گزرے ہوں گے کہ عرب مسلمانوں کے ہاں افلاطون اور ارسطو کی اہم فلسفیانہ کتابیں، نوافلاطونی اصحاب فلسفہ کی شروح میں سے منتخب تصانیف، جالینوس کی اکثر طبی کتابیں اور ایران وہندوستان کی بہت سی علمی تصنیفات منتقل ہو چکی تھیں۔

وہ علمی ذخیرے، جنہیں بہم کرنے میں اہل یونان کو صدیاں لگی تھیں، ایک مختصر مدت میں وہ عرب مسلمانوں کی تحویل میں آگئے اور اس طرح عربی اسلامی زندگی میں یونانی ثقافت، جو اسلامی ثقافت کو اپنے اندر سمو چکی تھی، ایک موثر طاقت بن گئی۔ مامون الرشید کے دور میں جسے "ترجمے کا دورِ زریں" کا نام دیا گیا ہے اس یونانی ثقافت کا اثر ونفوذ اپنے نقطۂ معراج پر پہنچ گیا۔ کیونکہ ایک تو خلیفہ مامون الرشید کے اپنے خاص فکری رجحانات تھے، اور دوسرے اس نے امام الرضا علی بن موسیٰ بن جعفر الصادق سے حکمتِ اسلامیہ کے حقائق کا استفادہ کیا تھا۔

۲۰۷ھ مطابق ۸۳۰ء میں مامون الرشید نے بغداد میں "بیت الحکمت" کی بنیاد رکھی، اور وہ عبارت

تھا خزانۂ کتب، دارِ علم اور مکتبِ ترجمہ سے، بغداد کا یہ "بیت الحکمت" اسکندریہ کے تاریخی کتب خانے کے بعد جس کی بنا مصر کے شہر اسکندریہ میں تیسری صدی قبل مسیح میں پڑی تھی، علم و حکمت کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ اس کی تاسیس سے پہلے بعض عیسائی، یہودی اور نومسلم اہلِ علم دوسری زبانوں سے عربی میں از خود ترجمے کیا کرتے تھے۔ مامون الرشید اور اس کے جانشینوں کے عہد میں یہ "بیت الحکمت" ترجمے کا گویا ایک مرکز بن گیا۔ ترجمے کا یہ دور تقریباً ۸۰۰ء میں شروع ہوتا ہے اور ایک سو سال تک اس کا سلسلہ جاری رہتا ہے اس دور کا شیخ المترجمین حنین بن اسحاق تھا، جسے مامون الرشید کے عہد میں انتہائی عروج نصیب ہوا، جب کہ اس کے سپرد بیت الحکمت کی ریاست کی گئی۔ خلیفہ المتوکل نے اسی حنین بن اسحاق کو اپنا خاص طبیب مقرر کیا۔ لیکن کچھ عرصے بعد اسے قید کر دیا، اور پورے ایک سال تک قید میں رکھا کیونکہ اس نے خلیفہ کے لئے کوئی ایسی دوا تجویز کرنے سے انکار کر دیا تھا، جس سے وہ اپنے دشمن کو ہلاک کر سکتا بعد ازاں خلیفہ نے اسے بلایا اور اس کے سامنے اپنا وہی مطالبہ پیش کیا۔ اور ساتھ ہی جلاّد اور تلوار بھی منگوالی گئی۔ حنین نے خلیفہ سے کہا کہ اس ضمن میں جو کچھ مجھے کہنا تھا، وہ میں کہہ چکا ہوں، اس پر متوکل بولا تو پھر میں تمہیں قتل کرتا ہوں۔ حنین نے جواب دیا کہ میرا رب موجود ہے، جو حشر کے دن میرے ساتھ انصاف کرے گا۔ یہ سنکر متوکل مسکرایا اور کہنے لگا کہ تم مطمئن ہو جاؤ۔ ہم تو تمہارا امتحان لے رہے تھے۔ پھر خلیفہ نے حنین سے پوچھا کہ آخر وہ کون سی چیز تھی جس نے تمہیں ہماری بات ماننے سے روکا درآں حالیکہ تم دیکھ رہے تھے کہ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں، وہ ہم کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔ حنین کا جواب یہ تھا:۔ "دو چیزیں تھیں۔ ایک دین اور دوسری چیز پیشہ۔ جب دین ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہم اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی بھلائی کریں، تو دوستوں کے بارے میں آپ کیا کہیں گے۔ باقی رہا میرے پیشے کا معاملہ، تو یہ بنی نوع انسان کے فائدے کے لئے ہے اور اس کا مقصد ان کا علاج و معالجہ ہے۔ اس کے علاوہ اطباء سے سخت سے قسمیں دے کر یہ قول و قرار بھی لیا جاتا ہے کہ وہ کسی کو ہلاک کرنے والی دوا نہیں دیں گے"۔ اس دور کے دوسرے مشہور مترجموں کی طرح فیلسوف العرب ابو یوسف یعقوب بن اسحاق الکندی نے ارسطو کی مابعد الطبیعات کی تیرہویں کتاب اور تحلیل القیاس والبرہان نام کی دو کتابوں کے عربی میں ترجمے کئے۔